کل کیا ہو گا؟

فیروزالدین احمد فریدی

دسمبر 2002ء کے آخری ہفتے میں سٹیٹ بنک آف پاکستان نے باضابطہ طور پر پاکستان کی نوزائیدہ نیم سول حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ عوامی ہر دلعزیزی کے پیچھے بھاگنے کی بجائے پچھلے سہ سالہ دور اصلاحات کی معاشی پالیسیوں پر استقامت سے گامزن رہے۔ اس مشورے کے فوراً بعد 31 دسمبر 2002ء کو پٹرول اور پٹرولیم کی دیگر مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ صرف پٹرول کی قیمت ڈیڑھ روپے فی لیٹر بڑھ گئی۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ صرف ایک روز قبل نئے وزیر پٹرولیم قوم کو یہ خوش خبری سنا چکے تھے کہ حکومت پٹرول کی قیمت میں عائد شدہ تمام غیر ضروری ٹیکس ختم کر کے پٹرول کی قیمتوں پر نظرثانی کرے گی۔ وزیر موصوف نے جس طرح پٹرول کی قیمت پر نظرثانی کی' اس پر قوم ان کو خراج تحسین پیش کرتی ہے۔

سٹیٹ بنک کے مندرجہ بالا باضابطہ سرکاری مشورے پر فوری تبصرہ کرتے ہوئے "نوائے وقت" نے اپنے اداریے میں لکھا کہ "سٹیٹ بنک کی شاید یہ مرضی نہیں کہ حکومت کے سامنے بدحالی کی صحیح تصویر کشی کی جائے مبادا وہ اچھی پالیسی بنا کر اسے دور نہ کر دے۔ شاید اسی لئے حکومت کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ موجودہ معاشی پالیسیوں کو ہرگز نہ بدلے..... کیا سٹیٹ بنک آف پاکستان..... حکومت کو یہ مشورہ دینا پسند کرے گا کہ حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اپنی پالیسیاں بدل کر کوئی بہتر حکمت عملی اپنائیں" یہ بات یکم جنوری 2003ء کی ہے۔

محاورے کی زبان میں اس اداریے کی سیاہی ابھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ حکومت نے یہ بہتر حکمت عملی اپنائی کہ یکم جنوری 2003ء کو قومی بچت کی سکیموں کے پہلے سے تخفیف شدہ منافع کی شرح میں مزید کمی کر دی۔ واضح رہے کہ منافع کی موجودہ شرح' 13 مئی 1999ء کے مقابلے میں گھٹتے گھٹتے پہلے ہی نصف رہ گئی تھی اور قومی اخبارات جن میں نوائے وقت سرفہرست تھا' اپنے اداریوں اور مضامین میں ارباب اقتدار سے پرزور مطالبہ کر رہے تھے کہ بیواؤں' یتیموں' پنشنروں اور سفید پوشوں کی چٹنی روٹی کے اس سرکاری سہارے کو ورلڈ بنک کے مہروں اور آئی ایم ایف کے ماہروں کے مزید استحصال سے بچایا جائے۔ جو کچھ ہوا' اس سے عیاں ہے کہ اس دور میں غریبوں کے درد اور قومی پریس کی آواز کی کیا اہمیت ہے؟ اور مشورے کس کے مانے جاتے ہیں؟ پٹرول کی قیمت میں اضافہ اور بچت سکیموں کی شرح منافع میں کمی کی صورت میں نئی نیم سول حکومت نے پاکستان کے چودہ کروڑ عوام کو نئے سال 2003ء کی جو مبارک باد دی ہے اس کے جواب میں قوم اپنے نئے وزیراعظم کو عمرے کی مبارک باد دیتی ہے۔ رہی بات چٹنی روٹی کی تو دونوں کی بیک وقت کیا ضرورت ہے؟ کچھ لوگ ابھی محض روٹی پر گزارہ کریں گے اور کچھ چٹنی چاٹا کریں گے اور دعائیں دیا کریں گے۔

آج کی خیر خبر تو یہ ہے کل کیا ہو گا؟ یہ کل آنے پر معلوم ہو گا۔ آج اگر کسی ماہر نفسیات سے کہا جائے کہ کوئی ایسا واحد اور جامع لفظ یا نشان بتا دو جو اس قوم کی موجودہ نفسیاتی کیفیت کی بھرپور عکاسی کرتا ہو تو جواب ملے گا: "؟" یعنی ایک بڑا سوالیہ نشان۔

ہر سچے پاکستانی کے دل اور سوچنے والے پاکستانی کے ذہن میں' آج رہ رہ کر یہ سوال اٹھ رہا ہے کہ "کل کیا ہو گا؟" اس سوال کے پیچھے مستقبل جاننے کا تجسس نہیں بلکہ آنے والی کل کے بارے میں وہ بے کلی ہے جس نے ہمارے باضمیر حکمرانوں کو چھوڑ کر جو دن رات قوم کی اصلاح میں مصروف اور مگن ہیں' باقی چودہ کروڑ عوام کو ایک اعصابی تناؤ میں مبتلا رکھا ہے۔

افراد تو اعصابی تناؤ کا شکار ہوتے ہیں لیکن جب یہ تناؤ چودہ کروڑ افراد پر تن جائے تو جان لیجئے کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ طوفان سے ذرا پہلے ہر سو سناٹا طاری ہو جاتا ہے۔ چیلیں اور کوے بے قراری سے فضا میں چکر کاٹنے لگتے ہیں۔ آج ہمارے قومی افق پر بھی چیلیں اور کوے منڈلا رہے ہیں۔ ایوب خان کے دور میں چینی کے نرخ چند پیسے بڑھ گئے تو ایک ایسی عوامی تحریک اٹھی کہ چند ماہ بعد ایوب خان کو جانا پڑا۔ اب ہر ماہ بہت سی چیزوں کی قیمتوں میں کئی کئی روپے کا اضافہ ہو رہا ہے لیکن سناٹا چھایا رہتا ہے' ایک ایسا سناٹا جس میں جن کے سانس باقی ہیں وہ سانسوں کی آواز سن سکتے ہیں ملک کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے' اسے اب بین الاقوامی تناظر میں دیکھیں۔ شمال میں افغان سرحد پر حالات اگر خطرناک نہیں تو باعث اطمینان بھی نہیں۔ یہ وہی سرحد ہے جس کے بارے میں دو برس پہلے کہا جاتا تھا کہ اب پاکستان اور افغانستان ایک ہو چکے ہیں اور ڈیورنڈ لائن کے دونوں طرف حق کا بول بالا اور روس کا منہ کالا ہے۔ مشرقی سرحد پر "مندر + ہیکل + کلیسا" کی مثلث کا ایک مضبوط کونہ بھارت ہے اور اس کے بعد مزید لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ مغربی سرحد پر عراق میں صرف چند ہفتوں میں جو کچھ ہونے والا ہے' وہ اتنا بڑا سوال ہے جس کا جواب آج بڑے سے بڑے کے پاس نہیں۔ جنوب میں بحیرہ عرب اور اس میں بھارتی بحریہ ہے جو ہماری بحریہ سے کئی گنا زیادہ طاقت ور ہے۔ عراق پر حملے کے بعد وہ کوئی حیلہ بہانہ تراش کر' ہماری اکلوتی بندرگاہ کی ناکہ بندی کر کے ہمیں پٹرول سے محروم کر سکتی ہے جس کا ذخیرہ کرنے کی صلاحیت ہمارے پاس چار ہفتے سے زیادہ کی نہیں۔ یہ تو ہوا مشرق' مغرب' شمال اور جنوب کا نقشہ اور اس پر مستزاد' وہ میر جعفر اور میر صادق ہیں جو سنپولوں کی طرح ہماری آستینوں میں پھنپھنا رہے ہیں اور کچھ لوگ ہیں جو انہیں آبخوروں میں دودھ پیش کر رہے ہیں اور ضمیر کی آوازیں سن اور سنا رہے ہیں۔

یہ تھی خارجی حالت۔ داخلی حالت یہ ہے کہ ایک طرف مہنگائی ہے جس نے حق حلال کی روزی کھانے والوں کا خون نچوڑ کر رکھ دیا ہے دوسری طرف بے روزگاری ہے جو پہلے لوگوں کو فاقوں اور اب خودکشی پر مجبور کر رہی ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ بین الاقوامی مالیاتی ادارے جن کے اپنے پالے پوسے نمک حلال مہرے آج ماہرین بن کر ہمارے معاشی زار بنے بیٹھے ہیں' وہ ادارے بھی چیخ اٹھے ہیں کہ پاکستان کے پانچ کروڑ افراد آج خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور پچھلے تین برسوں میں' جس کی اندھی پیروی کی سٹیٹ بینک آف پاکستان نئی نیم سول حکومت کو پرزور تلقین کر رہا ہے' کم از کم 42 لاکھ مزید افراد خط غربت سے نیچے چلے گئے ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی یہ بات منظر عام پر آئے ہوئے مہینوں بیت چکے ہیں لیکن ہمارے معاشی زاروں نے جو ٹی وی یا پریس میں اپنی تشہیر یا فوٹو سیشن کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ان ٹھوس اعداد و شمار کی تردید نہیں کی اور تردید کرتے بھی کیسے؟ جب آقا خود یہ کہہ دے کہ بھوکے غلام اب بھوک سے مرنے والے ہیں تو آقا کے پیٹ بھرے غلام اپنے آقا کی بات کس طرح جھٹلا سکتے ہیں؟ یہی بات اگر کوئی قومی اخبار اردو میں کہتا تو اس کی سو بار تردید ہو چکی ہوتی۔

یہ ملک اور قوم ورلڈ بینک' آئی ایم ایف' امریکا اور مغربی سامراج کے ہاتھوں گروی رہے ہیں پاکستان کی معاشی پالیسیاں باہر سے بن کر آتی رہیں اور مغرب کے چنتکبرے مہروں کے ذریعے یہاں نافذ ہوتی رہیں۔ ان پالیسیوں' مہروں اور ماہروں کے طفیل آج یہ عالم ہے کہ ایک طرف کچھ جگ مگ کرتے عالی شان محلات ہیں جن کے دن کبھی سونے نہیں ہوتے اور جن کی راتیں کبھی نہیں سوتیں اور دوسری طرف وہ بے شمار غلیظ جھونپڑیاں اور پانی' بجلی' گیس' سکون اور روٹی سے محروم تنگ و تاریک فلیٹ اور کوڑا کرکٹ سے اٹے ہوئے بدبودار گلی کوچے ہیں جہاں سے ہر روشن صبح اور سہانی شام کترائی ہوئی گزر جاتی ہے اور جن سے ٹلی ہوئی رات تاریک سے تاریک تر ہوتی جا رہی ہے اور غربت خط غربت سے نیچے چلی جا رہی ہے۔

رات جب اپنی تاریک ترین گھڑی کے بطن میں داخل ہوتی ہے تو اس کی کوکھ سے ایک معصوم بچے کی طرح سمٹی سمٹائی صبح جنم لیتی ہے۔ سورج کا کملایا ہوا پیلا چہرہ جب تک مغرب کے سیاہ دبیز لحاف میں چھپ نہیں جاتا' شام کا شرمیلا تارا' اپنی نورانی پلکیں جھپکاتا ہوا ظاہر نہیں ہوتا۔ گاڑی کا پہیہ جب تک اپنی تین سو ساٹھ زاویئے کی گردش پوری نہیں کر لیتا اور اس کا سب سے بلند نظر آنے والا حصہ اپنا چکر پورا کر کے پستی کی آخری حد نہیں چھو لیتا' اس وقت تک اس کا بلندی کی سمت اٹھنے والا خاموش سفر دوبارہ شروع نہیں ہوتا۔ ارتقاء اور ابتلاء کے یہ مظاہر اور عروج و زوال کے یہ قوانین سدا سے یونہی چلے آ رہے ہیں اور ابد تک یوں ہی چلتے رہیں گے۔

کیا ہماری قومی اقدار کے زوال کی تاریک ترین گھڑی آ پہنچی ہے؟ یا ابھی آنا باقی ہے؟ ہماری پستی کا پہیہ اس وقت ہماری گردش کی کس منزل میں ہے؟ ابھی اپنے پست ترین مقام پر پہنچا یا نہیں؟ چودہ کروڑ افراد جس درد سے تڑپ رہے ہیں اس کا مسیحا کوئی نہیں' خدایا! یہ کیسی بے بسی ہے کہ اس یاس میں آس کی کوئی کرن نظر آتی ہے تو صرف اس جان لیوا انتظار میں کہ وہ گھڑی آخر کب آئے گی جب ہم اپنی پستی کی آخری حد چھو لینے میں بالآخر کامیاب ہو جائیں گے۔ کیا ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے اور کہلانے والے اس بارے میں بھی قوم کی کچھ رہبری کریں گے؟